ایک تُو نہ مِلا

انتخاب

مصباح مشتاق

ایک تو نہ ملا

انتخاب

مصباح مشتاق

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

Gives and forgives
Man
gets and forgets

نام کتاب: ایک تو نہ ملا

انتخاب: مصباح مشتاق

0300-5211201

کمپوزنگ: میٹرکس کمپوزرز

موسم اشاعت: جنوری 2007ء

تعداد: 1000

مطبع: محمود برادرز، گوالمنڈی، راولپنڈی

Rs: 45.00

Ph:0515534774 اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

ڈسٹری بیوٹرز | اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی فون 051-5531610

سنیہ کے نام

جس کے نام سے سانسیں چلتی ہیں

محبت

میری زندگی کی
یہ شام ہو گئی
آغاز سے پہلے
انجام ہو گئی

فہرست

*

(ابن انشاؔ)

اِک بار کہو تم میری ہو

ہم گھوم چکے بستی بن میں
اِک آس کا پھانس لئے من میں
کوئی ساجن ہو، کوئی پیارا ہو
کوئی دیپک ہو، کوئی تارا ہو
جب جیون رات اندھیری ہو

اِک بار کہو تم میری ہو

جب ساون بادل چھائے ہوں
جب پھاگن پھول کھلائے ہوں
جب چندا روپ لٹاتا ہو
جب سورج دھوپ نہاتا ہو
یا شام نے بستی گھیری ہو

اِک بار کہو تم میری ہو

ہاں دل کا دامن پھیلا ہو
کیوں گوری کا دِل میلا ہو
ہم کب تک پیت کے دھوکے میں
تم کب تک دور جھروکے میں
کب دید سے دل کو سیری ہو
اِک بار کہو تم میری ہو

(احمد ندیم قاسمی)

مجھ سے کافر کو تیرے عشق نے یوں شرمایا
دل تجھے دیکھ کے دھڑکا تو خدا یاد آیا

میرے دل پہ تو ہے اب تک تیرے غم کا سایہ
لوگ کہتے ہیں نیا دور نئے دُکھ لایا

میرا معیارِ وفا ہی میری مجبوری ہے
رُخ بدل کر بھی تجھے اپنے مقابل پایا

چارہ گر آج ستاروں کی قسم کھا کر بتا
کس نے انسان کو تبسم کے لئے ترسایا

نذر کرتا رہا میں پھول سے جذبات اسے
جس نے پتھر کے کھلونوں سے مجھے بہلایا

لوگ ہنستے ہیں تو اس سوچ میں کھو جاتا ہوں
موجِ سیلاب نے پھر کس کا گھروندا ڈھایا

اس کے اندر کوئی فنکار چھپا بیٹھا ہے
جانتے بوجھتے جس شخص نے دھوکا کھایا

(احمد فرازؔ)

یہ کیا کہ سب سے بیاں دِل کی حالتیں کرنی
فرازؔ تجھ کو نہ آئیں محبتیں کرنی

یہ قرب کیا ہے کہ تو سامنے ہے اور ہمیں
شمار ابھی سے جدائی کی ساعتیں کرنی

کوئی خدا ہو کہ پتھر جسے ہم بھی چاہیں
تمام عمر اِسی کی عبادتیں کرنی

ہم اپنے دل سے ہیں مجبور اور لوگوں کو
ذرا سی بات پہ برپا قیامتیں کرنی

ملیں جب اُن سے تو مبہم سی گفتگو کرنا
پھر اپنے آپ سے سو سو وضاحتیں کرنی

کبھی فرازؔ نئے موسموں میں رو دینا
کبھی تلاش پرانی رقابتیں کرنی

❋

(احمد جلیل)

بارہا ایسے بھی اپنے دِل کو بہلانا پڑا
شامِ تنہائی میں یادوں سے لپٹ جانا پڑا

ہر دفعہ پہلی شناسائیاں نہ یاد آئیں اسے
ہر دفعہ اپنا تعارف پھر سے کروانا پڑا

ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں آج میرے خواب پھر
آج اِک پتھر سے پھر شیشے کو ٹکرانا پڑا

نارسائیوں کی تھکن نے کر دیا ہلکان پھر
دشت سے نکلے تو واپس دشت میں آنا پڑا

پھر بھی ہم نے عقل کو رہبر نہیں مانا جلیلؔ
دِل کے گو ہر فیصلے پر ہم کو پچھتانا پڑا

یہی ان کی تمنا ہے تو رونا چھوڑ دیتے ہیں
جو قصہ ہم نے چھیڑا ہے ادھورا چھوڑ دیتے ہیں

ہماری چپ نہ ان کے واسطے بھی مسئلہ ٹھہرے
وضاحت سے یہ بہتر ہے قبیلہ چھوڑ دیتے ہیں

اگر ان کا یہ کہنا ہے تو دل پہ جبر کر کے ہم
جو ان کے گھر کو جاتا ہے وہ رستہ چھوڑ دیتے ہیں

اگر یہ آخری تدبیر ہے تو تیز آندھی میں
یہی چارہ ہے قسمت پر سفینہ چھوڑ دیتے ہیں

ہم اپنی پیاس کے اس امتحاں میں پورا اتریں گے
لبِ دریا پہنچ کر بھی یہ دریا چھوڑ دیتے ہیں

※

(اختر شمار)

چلے آؤ اَب آگے حوصلہ اتنا نہیں ہوتا
سفر باقی جو ہے ہم سے وہ اب تنہا نہیں ہوتا

تمہارے نام پر ہم آنسوؤں میں دِل ڈبوتے ہیں
ہمارے سامنے کب ہجر کا دریا نہیں ہوتا

عجب اِک بے سکونی دھوپ کی صورت رہے سَر پر
یہ وہ منزل ہے جس کی راہ میں سایا نہیں ہوتا

سفر سے قبل ہی یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے
کبھی وہ پیش آ جاتا ہے جو سوچا نہیں ہوتا

شمارؔ ایسا بھی ہے رونا کبھی تسکین دیتا ہے
بعض اوقات یہ دِل کے لئے اچھا نہیں ہوتا

(ارشد ملک)

مسافر تو بچھڑتے ہیں، رفاقت کب بدلتی ہے
محبت زندہ رہتی ہے، محبت کب بدلتی ہے

تمہی کو چاہتے ہیں ہم، تمہی سے پیار کرتے ہیں
یہی برسوں سے عادت ہے تو عادت کب بدلتی ہے

کلی کا پھول بننا اور بکھر جانا مقدر ہے
یہی قانونِ فطرت ہے تو فطرت کب بدلتی ہے

جو دل پہ نقش کر جائے اور آنکھوں میں سمٹ آئے
علامت ہے یہ چاہت کی تو چاہت کب بدلتی ہے

بدل جاتے ہیں موسم، پھول میں خوشبو نہیں رہتی
مگر چاہت کے پھولوں کی رفاقت کب بدلتی ہے

اُسے چاہا، اُسے پوجا، یہی توقیر ہے اپنی
ہمیں گمراہ مت سمجھو، عبادت کب بدلتی ہے

پرانے زخم کو ارشد بھلا دینا ہی اچھا ہے
نہ چاہے آپ ہی کوئی تو قسمت کب بدلتی ہے

لہو ہر لفظ روتا ہے

(ارشد ملک)

یہی وعدہ لیا تھا نا
ہمیشہ خوش ہی رہنا ہے
تو دیکھو دیکھ لو آ کر
میری آنکھوں کو دیکھو تم
یہ کتنی شوخ لگتی ہیں
میرے ہونٹوں کو دیکھو تم
ہمیشہ مسکراتے ہیں
کوئی بھی غم اگر آیا
اسے ہنس کر سہا میں نے
میرے چہرے کو دیکھو تم
ہمیشہ پرسکوں ہو گا
تو سوچو گے
کیا تھا میں نے جو تم سے
وہ وعدہ کر دیا پورا

مگر اک بات ہے پیارے
کبھی جو وقت مل جائے
تو میری شاعری پڑھنا
تمہیں محسوس تو ہو گا
کہیں تلخی بھرا جملہ
کہیں یہ سَرد سا جملہ
کہیں پر درد کی جھیلیں
کہیں لہجے کی کڑواہٹ
سنو :
میں خوش تو ہوں لیکن
لہو ہر لفظ روتا ہے

تمہیں ہم یاد رکھتے ہیں

(ارشدؔ ملک)

تمہیں ہم یاد رکھتے ہیں
تمہاری یاد سے دِل کا نگر آباد رکھتے ہیں
تیرا مہتاب سا چہرہ اور گہری جھیل سی آنکھیں
تری زلفیں، حسیں پلکیں، تیرا لہجہ
ترا وہ کھلکھلانا
اور کسی بھی بات پر ہنسنا
اور پھر کچھ سوچنا اور سوچ کر گم صم سا ہو جانا
خیالوں میں خوابوں مین ہمارے ساتھ رہتا ہے
تمہیں ہم یاد رکھتے ہیں
تمہین ہم ساتھ رکھتے ہیں
تمہاری یاد سے دل کا نگر آباد رکھتے ہیں
کسی کے ساتھ چلنا ہو
کسی سے بات کرنی ہو
کسی کا پیار سے تکنا

کسی بھی پھول کا کھلنا

کوئی بھی گیت گاتے ہوں

کوئی بھی شعر پڑھتے ہوں

تمہیں ہم ساتھ رکھتے ہیں

تمہیں ہم یاد رکھتے ہیں

تمہاری یاد سے دِل کا نگر آباد رکھتے ہیں

مگر جب رات ہوتی ہے

تری ہی بات ہوتی ہے

وہاں اِک چاند ہوتا ہے

ترا یہ پھول سا چہرہ

مجھے چندا میں دِکھتا ہے

فضاؤں میں' ہواؤں میں

تری خوشبو بکھرتی ہے

تمہیں ہم ساتھ رکھتے ہیں

تمہیں ہم یاد رکھتے ہیں

تمہاری یاد سے دِل کا نگر آباد رکھتے ہیں

مجھے اِک نظم لکھنی ہے

(ارشد ملک)

کسی بھی خوبصورت شام میں ملنے چلے آؤ
مجھے اک نظم لکھنی
ہے
سنہری دھوپ کے جیسا ترا رنگ روپ اُجلا سا
دھلے بارش سے دیکھو تو حسیں پیارے نظارے ہیں
فلک کے استعارے ہیں
یہ تیری آنکھ جیسے ہیں
مجھے اک نظم لکھنی
ہے
تیری زلفیں ہیں گہری جھومتی پھرتی گھٹاؤں سی
نشیلی آنکھ میں تیری شرابوں کی سی مستی ہے
تمہاری نرم پلکوں پر جو روشن سے ستارے ہیں
مجھے ان کو بھی چھونا ہے
تیرے ان بند ہونٹوں میں چھپی جو مسکراہٹ ہے
یہی تو شاعری ہے بس
مجھے اک نظم لکھنی
ہے

تیری آنکھیں بہت کچھ بولتی ہیں
تیری باتیں شہد سا گھولتی ہیں
یہ پھولوں پر گری شبنم ترے گالوں کی جیسی ہے
چمکتی چاندنی جیسی تری روشن جبیں پر بھی
مجھے اک نظم لکھنی ہے
گھنی شاخوں کے پتوں میں چھپا وہ چاند پیارا سا
ترے چہرے کے جیسا ہے
ترے اس چاند چہرے پر
مجھے اک نظم لکھنی ہے
کسی بھی خوبصورت شام میں ملنے چلے آؤ

تمہیں کیسے بھلاتا میں؟

(ارشد ملک)

تمہیں کیسے بھلاتا میں؟
کہ جب سوچا تمہیں بھولوں
میرے اپنے، میرے ساتھی
میرا یہ دِل، میری آنکھیں
یہ مجھ سے رُوٹھ جاتے ہیں
تمہیں یہ یاد کرتے ہیں
تمہیں کیسے بھلاتا میں
میرے وہ دِن، میری راتیں
جو تیرے ساتھ گزرے تھے
وہ لمحے پیار کی باتیں
تمہیں یہ یاد کرتے ہیں
تمہیں کیسے بھلاتا میں؟

وہ شام انوکھی تھی......

(ارشد ملک)

موسم کی پہلی بارش تھی

تو مجھ سے ملنے آئی تھیں

پھر میرے شانوں سے لگ کر

تو نے کچھ کہنا چاہا تو

کچھ آنسو جھلمل تاروں سے

تیری پلکوں پر آ بیٹھے

پھر تیرے لرزتے ہونٹوں نے

جو بات مجھے کہنا چاہی

وہ بات تو جانے کون سی تھی

جو مجھ کو کہہ نہ پائی تو

بس اپنے حنائی ہاتھوں کو

میرے سامنے رکھا

اور اک دم

کچھ بھی نہ کہا، سب کہہ ڈالا

٭

(ارشد حسین)

رُوٹھا جو ایک بار دوبارہ نہیں مِلا
کیا بے وفا تھا بخت ہمارا نہیں مِلا

مجھ کو بھی راس آیا نہیں دوسرا کوئی
اُس کو بھی میرے بعد سہارا نہیں مِلا

اِک بار بھول بیٹھا تھا سیلاب راستہ
دریا کو اِس کے بعد کنارا نہیں مِلا

برسوں سے پھر رہا تھا میں جس کی تلاش میں
وہ مِل گیا تو اس سے ستارا نہیں مِلا

ہم جان وار دیتے اسی پل مگر ہمیں
اس کی طرف سے کوئی اشارہ نہیں مِلا

اِک بار ہی ہوئی تھی اَدارت جُدائی کی
پھر زندگی کا کوئی شمارہ نہیں مِلا

بھر دیتے برف زارِ محبت کو آگ سے
ارشد مگر ہم کو شرارہ نہیں مِلا

(ارشد خامر)

شکست خوردہ عدو پر ستم نہیں کرنا
کسی بھی آدمی کا سَر قلم نہیں کرنا

گلے لگا کر مجھے بارہا کہا اس نے
میری جُدائی میں پلکوں کو نم نہیں کرنا

پگھل تو سکتا ہے وہ سنگ میرے ہاتھوں سے
مگر یہ کام مجھے ایک دَم نہیں کرنا

ہوئے ہیں کتنے حقائق سہو مورخ سے
یہ سانحہ تو کسی نے رقم نہیں کرنا

میں اُس کے دِل کو مسخر تو کر چکا ہوں مگر
ابھی ہواؤں میں اونچا علم نہیں کرنا

(اسد اللہ غالب)

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا
جاں نذر دلفریبی عنواں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

(اسلم کولسری)

کوئی پوچھے' اُجڑے گھر میں کون آتا ہے' رات گئے
یونہی مَن کا اندھا پنچھی کُرلاتا ہے' رات گئے

بوڑھا چاند بھی جُھک کر میری پتھر پتھر آنکھوں میں
اس کی صورت' قطرہ قطرہ ٹپکاتا ہے' رات گئے

دھوپ میں اکثر میرا سایہ کرنوں میں بٹ جاتا ہے
لیکن مجھ پر سورج بن کر تن جاتا ہے' رات گئے

خوشبو کا اِک جھونکا آ کر اس کے ٹھنڈے گاؤں سے
سوچوں کے جلتے صحرا کو مہکاتا ہے رات گئے

سو جاؤ! پھر سارا دن گلیوں میں خاک اُڑانی ہے
مجھ کو اسلم تارا تارا سمجھاتا ہے' رات گئے

(اشرف سلیم)

کہا تھا اس نے مُجھ کو سوچنا مہنگا پڑے گا
محبت میں یہی اِک مرحلہ مہنگا پڑے گا

کہانی اور کرداروں کو تم اِک ساتھ رکھنا
کہیں کچھ رہ گیا جو فاصلہ مہنگا پڑے گا

تعلق توڑنے کا سلسلہ اچھا نہیں تھا
تجھے اِس دشمنی کا فیصلہ مہنگا پڑے گا

مجھے تاروں پہ چلنے کا ہُنر آتا ہے لیکن
تجھے چلنا پڑے تو تجربہ مہنگا پڑے گا

سلیم آنکھوں میں جگراتے بھی اُس کے ہجر کے ہیں
کبھی سوچا نہیں تھا جاگنا مہنگا پڑے گا

(امجد اسلام امجد)

کہنے کو میرے اُس سے کوئی واسطہ نہیں
امجد مگر وہ شخص مجھے بھولتا نہیں

ڈرتا ہوں آنکھ کھولوں تو منظر بدل نہ جائے
میں جاگ تو رہا ہوں مگر جاگتا نہیں

آشفتگی سے اُس کی اُسے بے وفا نہ جان
عادت کی بات اور ہے دِل کا بُرا نہیں

تنہا اُداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سُن رہا ہے مگر بولتا نہیں

خاموش رتجگوں کا دھواں تھا چار سو
نکلا کب آفتاب مجھے تو پتہ نہیں

امجد وہ آنکھیں جھیل سی گہری تو ہیں مگر
اُن میں کوئی بھی عکس میرے نام کا نہیں

(امجد اسلام امجد)

دُنیا کا کچھ بُرا بھی تماشا نہیں رہا
دل چاہتا تھا جس طرح ویسا نہیں رہا

تم سے ملے بھی ہم تو جُدائی کے موڑ پر
کشتی ہوئی نصیب تو دریا نہیں رہا

کہتے تھے ایک پل نہ جئیں گے تیرے بغیر
ہم دونوں رہ گئے ہیں وہ وعدہ نہیں رہا

کاٹے ہیں اس طرح سے تیرے بعد روز و شب
میں سانس لے رہا تھا پر زندہ نہیں رہا

آنکھیں بھی دیکھ دیکھ کے خواب آ گئی ہیں تنگ
دِل میں بھی اَب وہ شوق' وہ لپکا نہیں رہا

کیسے ملائیں آنکھ کسی آئینے سے ہم
امجد ہمارے پاس تو چہرہ نہیں رہا

مجھ سے کہتا ہے کبھی دل میں ملال آتے ہیں
کیسے کیسے میرے دشمن کو سوال آتے ہیں

یہ جو ہم روتے ہیں چھپ کر کبھی تنہائی میں
رفتہ رفتہ تجھے آنکھوں سے نکال آتے ہیں

ہم محبت پہ بھی احسان کوئی رکھتے نہیں
نیکیاں کرتے ہیں دریاؤں میں ڈال آتے ہیں

یہ تو سانسوں کے اُکھڑ جانے کے دن ہیں
ایسے موسم میں کہاں جاہ و جلال آتے ہیں

بس اِسی خوف سے سوئے نہیں اِک مدت سے
ہجر ملتا ہے اگر خواب وصال آتے ہیں

پھول کھل جائیں تو اس شخص سے کم کم ملنا
ایسے موسم میں محبت پہ زوال آتے ہیں

(اورنگ زیب نیازی)

کبھی ہے سوچا کہ کتنے موسم بنا تمہارے گزر گئے ہیں
جو خواب دیکھے تھے تتلیوں کے وہ خواب سارے بکھر گئے ہیں

ہوا کے لہجے میں بولتے تھے، صبا کے لہجے میں بات کرتے تھے
میرے تخیل سے ماورا تھے وہ لوگ جانے کدھر گئے ہیں

میرے مسیحا! میرے رفوگر! یہ زخم سارے تیری عطا ہیں
یہ تیرے ہاتھوں کے لمس سے جو مہک اُٹھے ہیں، نکھر گئے ہیں

نجانے کتنے سمندروں کی وہ پیاس دِل میں لئے ہوئے تھے
کہ چپکے چپکے جو تیری آنکھوں کے پانیوں میں اُتر گئے ہیں

کہا تھا تم نے کہ میری سانسوں میں زندگی کی طرح رہو گی
وہ تیری قسمیں، وہ تیری باتیں، وہ تیرے وعدے، کِدھر گئے ہیں

(باقی احمد پوری)

وہی بے سمت سا رستہ، محبت ہم سفر میری
سرابوں کا وہی دھوکہ، محبت ہم سفر میری

غبارِ راہ بھی کچھ دور تک ساتھ دیتا ہے
وہی اِک میں، وہی تنہا محبت ہم سفر میری

یہ لمحوں کی نہیں ہے یہ تو صدیوں کی مسافت ہے
کسی کی یاد کا صحرا، محبت ہم سفر میری

کوئی کشتی نہیں ہے جو ہمیں اُس پار لے جائے
بھنور، بپھرا ہوا دریا، محبت ہم سفر میری

وہی ہر وقت سوچوں پر کسی کی یاد کا پہرہ
وہی دن رات کا جلنا محبت ہم سفر میری

یہاں حدِ نظر تک بس اندھیرے ہی ہیں
نہ وہ جگنو، نہ وہ تارا، محبت ہم سفر میری

(بشیر بدر)

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو، کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو

کوئی ہاتھ بھی نہ مِلائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے مِلا کرو

ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دِل سے بھلا دیا، اُسے بھولنے کی دُعا کرو

مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سُنا کرو، جو سُنا نہیں وہ کہا کرو

کبھی حُسن پردہ نشیں بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو

نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو

یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اُداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اِسے آنسوؤں سے ہرا کرو

(بشریٰ رحمن)

کسی سے کیا کہیں کیا اپنا حال رہتا ہے
وہ بے وفا ہے یہ اس کا خیال رہتا ہے

اِسے تو غم ہی نہیں میرے رُوٹھ جانے کا
مجھے جدائی کا جس کی ملال رہتا ہے

میری نگاہوں میں جچتا نہیں ہے اَب کوئی
کہ دِل میں ایک سراپا جمال رہتا ہے

ہیں میرے پاس ہزاروں نشانیاں اِس کی
وہ جس کے پاس میرا اِک رومال رہتا ہے

کہیں دراڑ نہ آئی ہو دِل کے شیشوں میں
طبیعتوں میں جو یہ اِعتدال رہتا ہے

گھروں میں مال بہت بھر لیا امیروں نے
اِس لئے میرے شہروں میں کال رہتا ہے

وہاں وہاں نظر آیا نہ سائباں نہ شجر
جہاں جہاں بھی کوئی باکمال رہتا ہے

❋

(پروین شاکر)

وہ تو خوشبو ہے، ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

ہم تو سمجھے تھے، اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اتر جائے گا

وہ ہواؤں کی طرح خانہ بجاں پھرتا ہے
اک جھونکا ہے جو آئے گا، گزر جائے گا

وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کے لئے
موسمِ گل مرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

آخرش وہ بھی کہیں ریت پہ بیٹھی ہو گی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے، اتر جائے گا

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائے گا

٭

کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے

جاگتے جاگتے اِک عمر کٹی ہو جیسے
جان باقی ہے مگر سانس رُکی ہو جیسے

ہر ملاقات پہ محسوس یہی ہوتا ہے
مجھ سے کچھ تیری نظر پوچھ رہی ہو جیسے

راہ چلتے ہوئے اکثر یہ گماں ہوتا ہے
وہ نظر چھپ کے مجھے دیکھ رہی ہو جیسے

ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر
زندگی تیز بہت تیز چلی ہو جیسے

اِس طرح پہروں تجھے سوچتا رہتا ہوں میں
میری ہر سانس تیرے نام لکھی ہو جیسے

*

(جاں نثار اختر)

اشعار میرے یوں تو زمانے کے لئے ہیں
کچھ شعر فقط اُن کو سنانے کے لئے ہیں

اب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹا دیں
کچھ درد کلیجے سے لگانے کے لئے ہیں

آنکھوں میں جو بھر لو گے تو کانٹے سے چبھیں گے
یہ خواب تو پلکوں پہ سجانے کے لئے ہیں

دیکھوں تیرے ہاتھوں کو تو لگتا ہے تیرے ہاتھ
مندر میں فقط دیپ جلانے کے لئے ہیں

یہ علم کا سودا یہ رسالے یہ کتابیں
اِک شخص کی یادوں کو بھلانے کے لئے ہیں

بن تیرے کیا ہے جینا......

(جواد احمد)

بن تیرے کیا ہے جینا بن تیرے کیا ہے جینا

میرے دل کی رانی تُو، میری خوشیوں کا موسم
میرے خوابوں کی تعبیر، میرے سپنوں کی تصویر
بن تیرے کیسی یار، وہ جیت ہو یا ہار
تیرے سنگ ہے سب کچھ، تُو نہ ہو تو بیکار

بن تیرے کیا ہے جینا بن تیرے کیا ہے جینا

تیری پائل کی چھم چھم، تیری سانسوں کی سرگم
تیری خوشبو تیری پریت، یاد آئیں میرے میت
جو تجھ پر لکھے تھے وہ سارے میرے گیت
ساری خوشیاں سپنے میرے ہیں تیرے ساتھ

بن تیرے کیا ہے جینا بن تیرے کیا ہے جینا

سونی کالی راتیں روکھی پھیکی باتیں
ہر آہٹ پر چونکوں، تجھ کو ہر سو دیکھوں
تجھ کو ہر دم سوچوں، تجھ کو ہر پل چاہوں
تیرے بن تو جیون میرا ہے انتظار

بن تیرے کیا ہے جینا بن تیرے کیا ہے جینا

تیرا بننا سنورنا، مجھے کہنا او سجنا
میں کیسی لگتی ہوں؟ مجھ سے یہ پوچھنا
گالوں پہ ہاتھ رکھے، میری باتوں کو سننا
تیری حیراں آنکھوں پر آنا مجھ کو پیار

بن تیرے کیا ہے جینا بن تیرے کیا ہے جینا

(جی ایم لالی)

دِل و نظر کو اسیر غبار کرتا ہوں
فریب کھا کے تیرا اعتبار کرتا ہوں

مجھے یقیں ہے نہ آؤ گے تم کبھی اے دوست
یہ جانتا ہوں مگر انتظار کرتا ہوں

جو کھو بھی جاؤں تو منزل مجھے تلاش کرے
کچھ ایسی راہِ سفر اختیار کرتا ہوں

یہ کیا طلسم ہے یارو کہ ہر سفر کے لئے
میں روز ایک ہی دریا کو پار کرتا ہوں

اکیلا بیٹھ کے تنہائیوں کے موسم میں
جو گر چکے ہیں وہ پتے شمار کرتا ہوں

(حسن رضوی)

نہ وہ اقرار کرتا ہے نہ وہ انکار کرتا ہے
ہمیں پھر بھی گماں ہے وہ ہمیں سے پیار کرتا ہے

منڈیروں سے کوئی مانوس سی آواز آتی ہے
کوئی تو یاد ہم کو بھی پسِ دیوار کرتا ہے

یہ اس کے پیار کی باتیں فقط قصے پرانے ہیں
بھلا کچے گھڑے پر کون دریا پار کرتا ہے

ہمیں یہ دُکھ کہ وہ اکثر کئی موسم نہیں مِلتا
مگر ملنے کا وعدہ ہم سے وہ ہر بار کرتا ہے

حسنؔ راتوں کو جب سب لوگ میٹھی نیند سوتے ہیں
تو اِک خواب آشنا چہرہ ہمیں بیدار کرتا ہے

(حسن رضو

میں نے اس کو برف دنوں میں دیکھا تھا
اُس کا چہرہ سورج جیسا لگتا تھا

یوں بھی نظریں آپس میں مل ہی لیتی تھیں
وہ بھی پہروں چاند کو تکتا رہتا تھا

وہ گلیاں وہ رستے کتنے اچھے تھے
جب میں ننگے پاؤں گھوما کرتا تھا

چاروں جانب اس کی خوشبو بکھری تھی
ہجر کا اِک موسم بھی اس کے جیسا تھا

دُور کہیں آواز کے گھنگرو بجتے تھے
اور میں کان لگائے سنتا رہتا تھا

سبز رُتوں میں اکثر مجھ کو یاد آیا
اس نے خط میں سوکھا پتا بھیجا تھا

(حبیب جالب)

دل کی بات لبوں پر لا کر اب تک ہم دکھ سہتے ہیں
ہم نے سنا تھا اس بستی میں دل والے بھی رہتے ہیں

بیت گیا ساون کا مہینہ موسم نے نظریں بدلیں
لیکن ان پیاسی آنکھوں سے اب تک آنسو بہتے ہیں

ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

جن کی خاطر شہر بھی چھوڑا جن کے لئے بدنام ہوئے
آج وہی ہم سے بیگانے سے رہتے ہیں

محبت یہ نہیں ہوتی

(حنا اظہر

محبت یہ نہیں ہوتی
کہ جس میں معاف کر دینا
نہایت غیر ممکن بات ہو جائے
محبت یہ نہیں ہوتی
کہ تم نے کہہ دیا تو دن ہو
اور تم نے کہا تو رات ہو جائے
محبت یہ نہیں ہوتی
کہ جب جیتو تو تم جیتو
کہ جب بولو تو تم بولو
گلے شکوے تمہیں ہی ہوں
یہ سارے فیصلے تم ہی کرو
کس کو
محبت بھیک میں دینی ہے
کس کو

خواہشوں کے ساتھ اپنانا ہے

کس سے وعدہ کرنا ہے

یا کس کو بھول جانا ہے

محبت یہ نہیں ہوتی

ذرا سا سوچ لینا

تم جسے اب تک محبت کہتے آئے ہو

محبت وہ نہیں ہوتی

پیار کی پہلی بارش

حنا اظہر

میری آنکھیں بند تھیں لیکن
رات کی بارش کے قطروں میں
ہر اک سپنا بھیگ رہا تھا
میں نے چاہا آنکھیں کھولوں
کھول نہ پائی

بولنا چاہا
بول نہ پائی
کیا کرتی مجبور تھی میں بھی
میری آنکھیں کب تھیں میری
سپنے میرے بس میں کب تھے
ہر اک بوند میں تیرے لب تھے

(حنا اظہر)

چاہت کو نفرت میں بدلتے دیکھا ہے
دل دریا کو آج اُترتے دیکھا ہے

یخ بستہ ندیا کے ساکت پانی پر
میں نے اپنا عکس پگھلتے دیکھا ہے

میں خوش ہوں تو یہ نہ سمجھنا زندہ ہوں
کہو مجھے جیتے جی مرتے دیکھا ہے

آج تمہاری سوچ کے تپتے دوزخ میں
میں نے اپنے آپ کو جلتے دیکھا ہے

پیار کی وادی میں نفرت کے کانٹوں پر
خود کو ننگے پاؤں بھٹکتے دیکھا ہے

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکائتیں ہوئیں، احسان تو گیا

دیکھا ہے بتکدہ میں جو اے شیخ! کچھ نہ پوچھ
ایمان کی توبہ ہے کہ ایمان تو گیا

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اُسے جتا تو دیا، جان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں، سامان تو گیا

رشید قیصرانی

میرے لیے تو حرفِ دُعا ہو گیا وہ شخص
سارے دُکھوں کی جیسے دوا ہو گیا وہ شخص

میں آسماں پہ تھا تو زمیں کی کشش تھا وہ
اُترا زمین پر تو ہوا ہو گیا وہ شخص

سوچوں بھی اب اسے تو تخیل کے پر جلیں
مجھ سے جدا ہوا تو خدا ہو گیا وہ شخص

میں اُس کا ہاتھ دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً
سمٹا، سمٹ کے رنگ حنا ہو گیا وہ شخص

پھرتا ہے لے کے آنکھ کا کشکول دربدر
دل کا بھرم لٹا تو گدا ہو گیا وہ شخص

پڑھتا تھا میں نماز سمجھ کے اسے رشید
پھر یوں ہوا کہ مجھ سے قضا ہو گیا وہ شخص

تاج محل

ساحر لدھیانوی

تاج تیرے لیے اِک مظہرِ اُلفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیِ رنگیں سے عقیدت ہی سہی

میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے
بزم شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی؟
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اس پہ اُلفت بھری روحوں کا سفر کیا معنی؟

میری محبوب پسِ پردۂ تشہیرِ وفا
تو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا

ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے

یہ عمارات و مقابر یہ فصیلیں یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں

سینۂ دہر کے ناسور ہیں کہنہ ناسور
جذب ہے ان میں ترے اور مرے اجداد کا خوں

میری محبوب! انہیں بھی تو محبت ہو گی!
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکلِ جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل

یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارہ یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق
میری محبوب! کہیں اور ملا کر مجھ سے

کبھی کبھی

کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تری زُلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی
یہ تیرگی جو مری زیست کا مقدر ہے
تری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی

عجب نہ تھا کہ میں بے گانۂ الم ہو کر
ترے جمال کی رعنائیوں میں کھو رہتا
ترا گداز بدن، تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسین فسانوں میں محو ہو رہتا

پکارتیں مجھے جب تلخیاں زمانے کی
ترے لبوں سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
حیات چیختی پھرتی برہنہ سر اور میں
گھنیری زلفوں کے سائے میں چھپ کے جی لیتا

مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں ترا غم، تیری جستجو بھی نہیں
گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں

زمانے بھر کے دُکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی رہ گزاروں سے
مہیب سائے مری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات و موت کے پرہول خار زاروں سے

نہ کوئی جادۂ منزل نہ روشنی کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں مری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے

ساغر صدیقی

رودادِ محبت کیا کہیئے' کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
وہ دن کی مسرت کیا کہیئے' کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

جب جام دیا تھا ساقی نے' جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہیئے' کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب وقت کے نازک ہونٹوں پر' مجروح ترنم رقصاں ہے
بیدادِ مشیت کیا کہیئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہیئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیئے' کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب اپنی حقیقت بھی ساغر بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیئے' کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

ساغر صدیقی

چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

مجھے تمہاری نگاہوں پہ اعتماد نہیں
مرے قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے

فراز عرش سے ٹوٹا ہوا کوئی تارا
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ بڑا اندھیرا ہے

ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے

بصیرتوں پہ اُجالوں کا خوف طاری ہے
مجھے یقین دلاؤ بڑا اندھیرا ہے

جسے زبان خرد میں شراب کہتے ہیں
وہ روشنی سی پلاؤ بڑا اندھیرا ہے

بنام زہرہ جبینانِ خطہ فردوس
کسی کرن کو جگاؤ! بڑا اندھیرا ہے

ساغر صدیقی

آزادیوں کے نام پہ رسوائیاں ملیں
مشکل سے تیرے درد کی پنہائیاں ملیں

ساقی نے جھوٹ بولا ہے فصل بہار کا
گلشن میں صرف آپ کی انگڑائیاں ملیں

تجھ کو ملے ہیں قریہ مہتاب میں گڑھے
ہم کو تو پتھروں میں بھی رعنائیاں ملیں

ہم نے انہیں کو صورت جاناں بنا لیا
دیوارِ آرزو پہ جو پرچھائیاں ملیں

ان پہ نثار محفل ہستی کی رونقیں
اے دوست میکدے میں جو تنہائیاں ملیں

ہر تجربے میں ساغر مے کا جواز ہے
ہر فلسفے میں زلف کی گہرائیاں ملیں

ساقی فاروقی

وہ دکھ جو سوئے پڑے ہیں، انہیں جگا دوں گا
میں آنسوؤں سے ہمیشہ ترا پتہ دوں گا

بجھے لبوں پہ ہے بوسوں کی راکھ بکھری ہوئی
میں اس بہار میں یہ راکھ بھی اڑا دوں گا

ہوا ہے تیز مگر اپنا دل نہ میلا کر
میں اس ہوا میں تجھے دور تک صدا دوں گا

مری صدا پہ نہ برسیں اگر تری آنکھیں
تو حرف و صوت کے سارے دیے بجھا دوں گا

جو اہلِ ہجر میں ہوتی ہے ایک دید کی رسم
تری تلاش میں وہ رسم بھی اُٹھا دوں گا

وہ ایک لمحہ جسے کھو دیا محبت نے
اُسے تلاش کروں گا، تجھے بھلا دوں گا

وہ لفظ ہاتھ نے لکھے ہیں جو نہ لکھنے تھے
میں اس خطا پہ اسے عمر بھر سزا دوں گا

سراج الدین سراجؔ

ترے فراق کے لمحے گزر ہی جائیں گے
کبھی تو زخم مرے دل کے بھر ہی جائیں گے

ابھی تو جوش میں ہے ذوقِ جادہ پیمائی
کبھی جو ہوش میں آئے تو گھر ہی جائیں گے

تری جدائی کے لمحے عذاب ہیں لیکن
ترے بغیر بھی یہ دن گزر ہی جائیں گے

خیال تھا کہ نہ آتے تمہاری محفل میں
اب آ گئے ہیں تو کچھ بات ہی کر جائیں گے

خیالِ خاطرِ احباب جو نہیں رکھتے
وہ ایک روز دلوں سے اُتر ہی جائیں گے

عجیب مزاج کے حامل ہیں عشق کے مارے
جدھر ہوئے ہیں وہ رُسوا اُدھر ہی جائیں گے

سراجؔ شوق سا کیا کوئی ترجماں ہو گا
خموش رہ کے بھی ہم بات کر ہی جائیں گے

سلیم کوثر

یہ وصال ہے کہ فراق ہے دلِ مبتلا کو پتا رہے
جو یہ پھول ہے تو کھلا رہے جو یہ زخم ہے تو ہرا رہے

ترے انتظار کے سلسلے ہیں میانِ دستک و در کہیں
یہی آس ہے تو بندھی رہے یہ چراغ ہے تو جلا رہے

یونہی بھولے بھٹکے جو آ گئے ہیں اِدھر تو اتنی ہوا نہ دے
کہ غبارِ کوئے ملامتاں کوئی واقعہ تو چھپا رہے

کسی چشم وعدہ کی لہر ہے بڑا دل گرفتہ یہ شہر ہے
سو ہوائے محرم دوستاں ترے سلسلوں کا پتا رہے

یہ سرائے صبح کے ساتھ ہی مجھے چھوڑنی ہے غزالِ شب
تری چشم رمز و کنایہ میں کوئی خواب ہے تو سجا رہے

نہ میں یوں دربدر پھرتا نہ تم خود کو سزا دیتے
یہ اچھا تھا کہ ہم دونوں زمانے کو بھلا دیتے

وہی چہرہ' وہی آنکھیں' وہی گیسو' وہی سب کچھ
کوئی گر جھانکتا دل میں تری صورت دِکھا دیتے

کسی کو ہم بتاتے کیا' کسی سے جا کے کیا کہتے
تمہارے پیار کی باتیں ہنسی میں کیوں اُڑا دیتے

بہت اچھا ہوا محفل میں رسوائی نہ ہو پائی
خوشی سے رو ہی پڑتے ہم اگر تم مسکرا دیتے

یہ بہتر ہے کہ درد اپنا چھپا ہے اپنے سینے میں
وگرنہ سعد دشمن بھی بہت اس کو ہوا دیتے

ڈاکٹر سعید اقبال سعدی

عمر بھر کی دوستی کا یہ صلہ کیسا لگا
جس نے پہچانا نہیں وہ آشنا کیسا لگا

دوسروں کی زندگی کچھ بھی نہیں جن کے لئے
ان کو اپنی زندگی کا تجزیہ کیسا لگا

تنکا تنکا کر دیا جس نے مرے دل کا چمن
اس کو اپنے آشیاں کا ٹوٹنا کیسا لگا

جس کی شریانوں میں شامل تھا گناہوں کا لہو
جانے اس کو اپنے منہ کا ذائقہ کیسا لگا

مدتوں تک جو مرے جذبات سے کھیلا اسے
اپنے دل کے آئینے کا ٹوٹنا کیسا لگا

جس شجر کے سائے میں اب تک کٹی تھی زندگی
اس شجر کو اپنے ہاتھوں کاٹنا کیسا لگا

شہر بھر میں روشنی کی سحر کاری دیکھ کر
تم کو سعدی اپنا چھوٹا سا دیا کیسا لگا

مجھے منزلوں سے عزیز ہیں تری رہ گزر کی مسافتیں
کہ لکھی ہیں میرے نصیب میں ابھی عمر بھر کی مسافتیں

وہی صبح نو کے عذاب ہیں وہی رات بھر مرے خواب ہیں
وہی تشنگی کے سراب ہیں وہی چشم تر کی مسافتیں

اسی ایک پل کی تلاش میں جسے لوگ کہتے ہیں زندگی
تری رہ گزر میں بکھر گئیں مری عمر بھر کی مسافتیں

ہیں بڑے عجیب سے واسطے کہ گریز پا سبھی رابطے
وہ تری نگاہ کے فاصلے یہ مری نظر کی مسافتیں

کبھی راستوں میں قرار تھا کبھی منزلوں سے فرار تھا
کبھی در بدر کی سکونتیں، کبھی اپنے گھر کی مسافتیں

*

(سعد اللہ شاہ)

اُس نے بس اتنا کہا میں نے سوچا کچھ نہیں
میں وہیں پتھرا گیا میں نے سوچا کچھ نہیں

اُس میں کیا ہے کیا نہیں مجھ کو اس سے کیا غرض
وہ مجھے اچھا لگا میں نے سوچا کچھ نہیں

میں بھی تو انسان تھا اِک خامی رہ گئی
میں نے جس کو دِل دیا میں نے سوچا کچھ نہیں

اُس کی بابت سوچنا' سوچنا بھی رات دِن
پھر بھی مُجھ کو یوں لگا میں نے سوچا کچھ نہیں

اُس سے میں نے کیا کہا یہ تو ہے اِک واقعہ
یہ بھی ہے اِک واقعہ میں نے سوچا کچھ نہیں

نفرتیں تھیں سعدؔ جی چاہتوں کے درمیاں
چاہتوں میں کیا ہوا' میں نے سوچا کچھ نہیں

وہ کاغذ کی کشتی

(سدرشن فاکر)

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

محلے کی سب سے پرانی نشانی
وہ بڑھیا جسے بچے کہتے تھے نانی
وہ نانی کی باتوں میں پریوں کا ڈیرہ
وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پہرہ
بھلائے نہیں بھول سکتا ہے کوئی
وہ چھوٹی سی راتیں وہ لمبی کہانی

کڑی دھوپ میں اپنے گھر سے نکلنا
وہ چڑیا وہ بلبل وہ تتلی پکڑنا

وہ گڑیا کی شادی پہ لڑنا جھگڑنا
وہ جھولوں سے گرنا وہ گر کے سنبھلنا

وہ پیتل کے چھلوں کے پیارے سے تحفے
وہ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کی نشانی
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

(سیف الدین سیف)

میری داستانِ حسرت وہ سُنا سُنا کے روئے
میرے آزمانے والے' مجھے آزما کے روئے

کوئی ایسا اہلِ دِل ہو کہ فسانۂ محبت
میں اسے سُنا کے روؤں' وہ مجھے سُنا کے روئے

میری آرزو کی دُنیا دِلِ ناتواں کی حسرت
جِسے کھو کے شادماں تھے اسے آج پا کے روئے

تیری بے وفائیوں پر' تیری کج ادائیوں پر
کبھی سَر جھکا کے روئے' کبھی مُنہ چھپا کے روئے

جو سُنائی انجمن میں شبِ غم کی آپ بیتی
کئی رو کے مُسکرائے' کئی مُسکرا کے روئے

(شبنم شکیل)

سُوکھے ہونٹ، سُلگتی آنکھیں، سرسوں جیسا رنگ
برسوں بعد وہ دیکھ کے مجھ کو رہ جائے گا دنگ

ماضی کا وہ لمحہ مجھ کو آج بھی خوب رُلائے
اُکھڑی اُکھڑی باتیں اُس کی غیروں جیسے ڈھنگ

دِل کو تو پہلے ہی درد کی دیمک چاٹ گئی تھی
روح کو بھی اَب کھاتا جائے تنہائی کا زنگ

انہی کے صدقے یارب میری مشکل کر آسان
میرے جیسے اور بھی ہیں جو دِل کے ہاتھوں تنگ

سب کچھ دے کر ہنس دی اور پھر کہنے لگی تقدیر
کبھی نہ ہو گی تیرے دِل کی پوری ایک اُمنگ

شبنم کوئی تجھ سے ہارے، جیت پہ مان نہ کرنا
جیت وہ ہو گی جب جیتو گی اپنے آپ سے جنگ

مکالماتی غزل

(شفیق احمد خان)

وہ کہتی ہے سبھی غزلیں مجھے کاغذ پہ لکھ بھیجو
میں کہتا ہوں میری غزلیں تو سب تیری ہی باتیں ہیں

وہ کہتی ہے کوئی دن میں مِلن کا دن بھی آئے گا
میں کہتا ہوں کہ کیا بہتر نہیں وہ آج کا دِن ہو

وہ کہتی ہے تمہیں کیوں اِس قدر جلدی ہے جلنے کی
میں کہتا ہوں مجھے ہر پَل عذاب جاں سا لگتا ہے

وہ کہتی ہے محبت سے مسرت بھر گئی دل میں
میں کہتا ہوں ابھی کچھ غم بھی نکلیں گے تعاقب میں

وہ کہتی ہے محبت میں بہت نادان ہو تم تو
میں کہتا ہوں مسائل سے بہت انجان ہو تم تو

شاہین مفتی

یوں ہی باتوں ہی باتوں میں
مجھے اُس نے بتایا تھا
محبت کرنے والے پیار میں دھوکہ نہیں کرتے
کوئی جب بات کرتا ہو اُسے ٹوکا نہیں کرتے
جسے جانے کی جلدی ہو اُسے روکا نہیں کرتے
یونہی باتوں ہی باتوں میں
مجھے اَب یاد آیا ہے
اُسے جانے کی جلدی تھی

یاد

(عبیداللہ علیم)

کبھی کبھی کوئی یاد
کوئی بہت پرانی یاد
دل کے دروازے پر
ایسے دستک دیتی ہے
شام کو جیسے تارا نکلے
صبح کو جیسے پھول
جیسے دھیرے دھیرے زمیں پر
روشنیوں کا نزول
جیسے رُوح کی پیاس بجھانے
اُترے کوئی رسول
جیسے روتے روتے اچانک
ہنس دے کوئی ملول
کبھی کبھی کوئی یاد
کوئی بہت پرانی یاد
دِل کے دروازے پر ایسے دستک دیتی ہے

(عدیم ہاشمی)

اس نے کہا کہ ہم بھی خریدار ہو گئے
بکنے کو سارے لوگ ہی تیار ہو گئے

اس نے کہا کہ ایک وفادار چاہیے
سارے جہاں کے لوگ وفادار ہو گئے

اس نے کہا کہ کوئی گنہگار ہے یہاں
جو پارسا تھے وہ بھی گنہگار ہو گئے

اس نے کہا کہ عاجز و مسکین ہے کوئی
سب لوگ گرد کوچہ و بازار ہو گئے

اس نے کہا کہ کاش کوئی جنگجو ملے
آپس میں یار برسرِ پیکار ہو گئے

اس نے کہا عدیمؔ میرا ہاتھ تھامنا
چاروں طرف سے ہاتھ نمودار ہو گئے

(عدیم ہاشمی)

سرِ صحرا مسافر کو ستارہ یاد رہتا ہے
میں چلتا ہوں مجھے چہرہ تمہارا یاد رہتا ہے

تمہارا ظرف ہے تم کو محبت بھول جاتی ہے
ہمیں تو جس نے بھی ہنس کر پکارا یاد رہتا ہے

محبت اور نفرت اور تلخی اور شیرینی
کس نے کس طرح کا پھول مارا یاد رہتا ہے

محبت میں جو ڈوبا ہو اسے ساحل سے کیا لینا
کسے اس بحر میں جا کر کنارہ یاد رہتا ہے

بہت لہروں کو پکڑا ڈوبنے والے کے ہاتھوں نے
یہی بس ایک دریا کا نظارا یاد رہتا ہے

صدائیں ایک سی یکسانیت میں ڈوب جاتی ہیں
ذرا سا مختلف جس نے پکارا یاد رہتا ہے

(عدیم ہاشمی)

کٹ ہی گئی جدائی بھی کب یہ ہوا کہ مر گئے
تیرے بھی دن گزر گئے، میرے بھی دن گزر گئے

تیرے لئے چلے تھے ہم، تیرے لئے ٹھہر گئے
تو نے کہا تو جی اُٹھے، تو نے کہا تو مر گئے

وہ بھی غبارِ خاک تھا، ہم بھی غبارِ خاک تھے
وہ بھی کہیں بکھر گیا، ہم بھی کہیں بکھر گئے

کوئی کنارِ آب جو بیٹھا ہوا ہے سرنگوں
کشتی کدھر چلی گئی، جانے کدھر بھنور گئے

وہ بارشِ وصل ہوئی سارا غبار ڈھل گیا
وہ بھی نکھر نکھر گیا، ہم بھی نکھر نکھر گئے

اتنے قریب ہو گئے، اتنے رقیب ہو گئے
وہ بھی عدیم ڈر گئے، ہم بھی عدیم ڈر گئے

(عدیم ہاشمی)

فاصلے ایسے بھی ہونگے، یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا

وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چارسو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا، چھو سکتا نہ تھا

رات بھر پچھلی سی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں، کوئی بھی آیا نہ تھا

یہ سبھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے ہیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی، شہر دھندلایا نہ تھا

آج اس نے درد بھی اپنے علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا

یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا

*

(عطیہ بتول بانو)

کاش وہ خواب میں بچھڑا ہوتا
اور وہ خواب بھی جھوٹا ہوتا

اتنے لمبے خط میں تو نے
کچھ تو آخر لکھا ہوتا

دنیا بھر کے سوچنے والے
کاش مجھے بھی سوچا ہوتا

اپنی کسی بھی نظم کا عنواں
میرے نام پہ رکھا ہوتا

میں جو کچھ بھی بھول گئی ہوں
تو نے یاد دِلایا ہوتا

کاش جو دیکھا، دیکھ نہ پاتی
آنکھ دریچہ اندھا ہوتا

*

(علی احمد)

کون ہے جو مجھے اپنا بنانا چاہے
زمانہ تو مجھے نظروں سے گرانا چاہے

میں کہ ہر چہرے کی طرف دیکھتا ہوں
شاید کہ کوئی مجھے اپنا بنانا چاہے

مجھ سے کر کے ترک تعلق تو نے دیکھ لیا
مجھے زمانہ نہیں، یہی اک دیوانہ چاہے

ہم تو عشق کے راہی ہیں عقل کے نہیں
ہمارا اُس سے کیا کام جسے زمانہ چاہے

ہاتھ رکھ کے دل پہ خود ہی دیکھ لے
میں خود ہی جل رہا ہوں تو کیا جلانا چاہے

ابھی لگی تھی آنکھ کہ وہ آ بیٹھے سرہانے
رو رو کے وہ بت مجھ کو جگانا چاہے

ہم کہ جھکی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں!
وہ شبنمی پیرہن مجھ کو دکھانا چاہے

احمدؔ عادی تھا اِک ہجر کے موسم کا
وہ حسن فتنہ گر ہر موسم سہانا چاہے

*

(علی اکبر منصور)

یوں دل میں تیری یاد اُتر آتی ہے جیسے
پردیس میں غمناک خبر آتی ہے جیسے

آتی ہے تیرے بعد خوشی بھی تو ایسے
اُجڑے ہوئے پیڑوں پہ سحر آتی ہے جیسے

لگتا ہے ابھی دِل نے تعلق نہیں توڑا
یہ آنکھ تیرے نام پہ بھر آتی ہے جیسے

اِک قافلۂ ہجر گزرتا ہے نظر سے
اور روح تلک گردِ سفر آتی ہے جیسے

جلتا ہے کوئی شہر کبھی دامنِ دل میں
سانسوں میں کبھی راکھ اُتر آتی ہے جیسے

(فاخرہ بتول)

بَدلی بَدلی سی فضا لگتی ہے
ساری دنیا ہی خفا لگتی ہے

دِل کا دروازہ کُھلا چھوڑ دیا
تیرے قدموں کی صَدا لگتی ہے

سینکڑوں چھید ہیں اس میں لیکن
کتنی اچھی یہ رِدا لگتی ہے

تیری قربت میں جُھکی سی یہ نظم
اِک معصوم دُعا لگتی ہے

اَب کے رُوٹھے نہ منایا تم نے
یہ بچھڑنے کی اَدا لگتی ہے

کِس کی آنکھوں کا اَثر ہے یہ بتولؔ
کالی کالی سی گھٹا لگتی ہے

ہم تجھے ایمان کہا کرتے تھے......

(فرحت عباس شاہ)

آ کسی شام کسی یاد کی دہلیز پہ آ
عمر گزری تجھے دیکھے ہوئے' بہلائے ہوئے

یاد ہے؟
ہم تجھے دِل مانتے تھے
تیرے ہر نخرے کی فرمائش پر
ایک جیون کی تمناؤں کی بینائی سے ہم دیکھتے تھکتے ہی نہ تھے
سوچتے تھے
ایک چھوٹا سا نیا گھر
محبت کی فضا
ہم دونوں
اور کسی بات پہ تکیوں سے لڑائی اپنی
پھر لڑائی میں کبھی ہنستے ہوئے رو پڑنا
اور کبھی روتے ہوئے ہنس پڑنا
اور تھک ہار کے گر پڑنے کا معصوم خوش بخش خیال

یاد ہے؟

ہم تجھے سُکھ جانتے تھے

رات ہنس پڑتی تھی بے ساختہ درشن سے تیرے

دِن تیری دُوری سے رو پڑتا تھا

یاد ہے؟

ہم تجھے جاں کہتے تھے

تیری خاموشی سے ہم مر جاتے

تیری آواز سے جی اُٹھتے تھے

تجھ کو چھو لینے سے اِک زندگی آ جاتی تھی شریانوں میں

تھام لینے سے کوئی شہر سا بس جاتا تھا ویرانوں میں

یاد ہے؟

ہم تجھے ملنے کے لئے

وقت سے پہلے پہنچ جاتے تھے

اور ملاقات کے بعد

ہم بہت دیر سے گھر آتے تو کہتے کہ ہمیں کچھ نہ کہو

ہم بہت دُور سے گھر آئے ہیں

س قدر دُور سے آئے ہیں کہ شاید ہی کوئی آ پائے

یاد ہے؟

ہم تجھے بھگوان سمجھتے تھے مگر کفر سے ڈر جاتے تھے

تیرے چھن جانے کا ڈر ٹھیک سے رکھتا تھا مسلمان ہمیں

آ کسی شام کسی یاد کی دہلیز پہ آ

تیرے بھولے ہوئے رستے پہ لیے پھرتا تھا ایمان ہمیں

اور کہتا تھا کہ پہچان ہمیں

یاد ہے؟

ہم تجھے ایمان کہا کرتے تھے

تو یہ بھی لکھنا......

(فرحت عباس شاہ)

اُداسیوں کا سبب جو لکھنا
تو یہ بھی لکھنا
کہ چاند' تارے' شہاب' آنکھیں بدل گئے ہیں
وہ زندہ لمحے جو تیری راہوں میں
تیرے آنے کے منتظر تھے
وہ تھک کے سایوں میں ڈھل گئے ہیں
وہ تیری یادیں' خیال تیرے' وہ رنج تیرے' مَلال تیرے
وہ تیری آنکھیں' سوال تیرے
وہ تم سے میرے تمام رشتے بچھڑ گئے ہیں
اُجڑ گئے ہیں
اُداسیوں کا سبب جو لکھنا
تو یہ بھی لکھنا
لرزتے ہونٹوں پہ لڑکھڑاتی دُعا کے سورج
پگھل گئے ہیں
تمام سپنے ہی جَل گئے ہیں

(قتیل شفائی)

یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھائے مجھے
کہ سنگ تجھ پہ گرے اور زخم آئے مجھے

وہی تو سب سے زیادہ ہے نکتہ چیں میرا
جو مسکرا کے ہمیشہ گلے لگائے مجھے

میں اپنے دل سے نکالوں خیال کس کس کا
جو تو نہیں تو کوئی اور یاد آئے مجھے

وہ میرا دوست ہے سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے تو شرم آئے مجھے

وہ مہرباں ہے تو اقرار کیوں نہیں کرتا
وہ بدگماں ہے تو سو بار آزمائے مجھے

میں اپنی ذات میں نیلام ہو رہا ہوں قتیلؔ
غمِ حیات سے کہہ دو خرید لائے مجھے

٭

(قمر جلالوی)

کب میرا نشیمن اہلِ چمن گلشن میں گوارا کرتے ہیں
غنچے اپنی آوازوں میں بجلی کو پکارا کرتے ہیں

اَب نزع کا عالم ہے مجھ پر تم اپنی محبت واپس لو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو بوجھ اُتارا کرتے ہیں

جاتی ہوئی میت دیکھ کے بھی واللہ تم اُٹھ کر آ نہ سکے
دو چار قدم تو دشمن بھی تکلیف گوارا کرتے ہیں

پوچھو نہ عرق رخساروں سے رنگینی حُسن کو بڑھنے دو
سنتے ہیں کہ شبنم کے قطرے پھولوں کو نکھارا کرتے ہیں

کچھ حُسن و عشق میں فرق نہیں ہے بھی تو فقط رسوائی کا
تم ہو کہ گوارا کر نہ سکے ہم ہیں کہ گوارا کرتے ہیں

تاروں کی بہاروں میں بھی قمر تم افسردہ سے رہتے ہو
پھولوں کو تو دیکھو کانٹوں میں ہنس ہنس کے گزارا کرتے ہیں

میں یہ سوچ کر اس کے در سے اُٹھا تھا

کہ وہ روک لے گی۔ منا لے گی مجھ کو

ہواؤں میں لہراتا آتا تھا دامن

کہ دامن پکڑ کے بٹھا لے گی مجھ کو

قدم ایسے انداز سے اُٹھ رہے تھے

کہ آواز دے کر بلا لے گی مجھ کو

مگر اُس نے روکا' نہ مجھ کو منایا

نہ دامن ہی پکڑا' نہ مجھ کو بلایا

میں آہستہ آہستہ بڑھتا ہی آیا

یہاں تک کہ اس سے جدا ہو گیا میں

گمان

(کرن رُباب نقوی)

اس نے اِک بار یہ کہا تھا مجھے

"مجھ کو عادت ہے بھول جانے کی"

میں نے پل بھر کو بھی نہیں سوچا

مجھ کو رنگوں، گلاب، خوشبو سے

تتلیوں، بارشوں، ہواؤں سے

دے کر تشبیہہ بولنے والا

بھول جائے گا خواب کی صورت

(محسن نقوی)

روٹھا تو شہرِ خواب کو غارت بھی کر گیا
پھر مسکرا کے تازہ شرارت بھی کر گیا

شاید اُسے عزیز تھیں آنکھیں میری بہت
وہ میرے نام اپنی بصارت بھی کر گیا

مُنہ زور آندھیوں کی ہتھیلی پہ اِک چراغ
پیدا میرے لہو میں حرارت بھی کر گیا

دِل کا نگر اُجاڑنے والا ہُنر شناس
تعمیر حوصلوں کی عمارت بھی کر گیا

سب اہلِ شہر جس پہ اُٹھاتے تھے اُنگلیاں
وہ شہر بھر کو وجہِ زیارت بھی کر گیا

محسنؔ یہ دل کہ جس سے بچھڑتا نہ تھا کبھی
آج اُس کو بھولنے کی جسارت بھی کر گیا

تمہیں کس نے کہا تھا؟

(محسن نقوی)

تمہیں کس نے کہا تھا؟
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو
اور اتنی دیر دیکھو!
کہ بینائی پگھل جائے
تمہیں کس نے کہا تھا؟
آسماں سے ٹوٹتی اندھی اُلجھتی بجلیوں سے
دوستی کر لو
اور اتنی دوستی کر لو
کہ گھر کا گھر ہی جل جائے
تمہیں کس نے کہا تھا؟
ایک انجانے سفر میں
اجنبی رہرو کے ہمراہ دور تک جاؤ
اور اتنی دُور تک جاؤ
کہ وہ رستہ بدل جائے

(محسن نقوی)

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رُخی کے ساتھ

یوں تو میں ہنس پڑا ہوں تمہارے لئے مگر
کتنے ستارے ٹوٹ پڑے اک ہنسی کے ساتھ

فرصت ملے تو اپنا گریباں بھی دیکھ لے
اے دوست یوں نہ کھیل میری بے بسی کے ساتھ

چہرے بدل بدل کے مجھ سے مل رہے ہیں لوگ
اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ؟

محسنؔ کرم کی لے بھی ہو جس میں خلوص بھی
مجھ کو غضب کا پیار ہے اس دشمنی کے ساتھ

٭

(محبوب ظفر)

اس کے بغیر گرچہ میری عمر کٹ گئی
لیکن حیات کتنے عناصر میں بٹ گئی

میں نے اسے خرید لیا چاہتوں کے بھاؤ
پھر یوں ہوا کہ قیمتِ بازار گھٹ گئی

بیٹھی ہوئی تھی اوٹ میں خوابوں کی چاندنی
میں دیکھنے لگا تو دریچے سے ہٹ گئی

لوگوں نے میری شکل کے ٹکڑے اُٹھا لئے
تصویر میرے چاہنے والوں میں بَٹ گئی

گھر چھوڑنے کا جب بھی ارادہ کیا ظفؔر
قدموں سے اس کی یاد کی خوشبو لپٹ گئی

(مسعود احمد

اپنی تقدیر سے لڑنا ہے بہرحال مجھے
آگے معلوم نہیں صورتِ احوال مجھے

آنا جانا تو چلو مان لیا مشکل تھا
اُس نے تو خط بھی نہیں لکھا کئی سال مجھے

میں نے پانی میں کئی بار جسے ڈالا تھا!
کھینچ کے لایا ہے دریا میں وہی جال مجھے

آج پھر آیا ہے مسعودؔ بہت دیر کے بعد
اُس کی خوشبو میں گندھا ریشمی رومال مجھے

*

(مصباح مشتاق)

تیرے لوٹنے کی دعا کروں
تجھے بھولنے کی دوا کروں

تو نے چن لیا نیا رستہ
میں پرانی راہ پہ چلا کروں

تو بدل گیا مجھے بھول کر
اَب اکیلی تنہا میں کیا کروں

کبھی چاہتوں میں تھیں راحتیں
اَب درد دِل میں ہے کیا کروں

تیری یادیں مجھ کو رُلائیں جب
تجھے بھولنے کی دُعا کروں

وہ جو غیر تھا رہا غیر ہی
یہی کہ سب سے ملا کروں

جنہیں تیرے کہنے پہ چھوڑا تھا
میں اَب اُن سے کیسے ملا کروں

میری آنکھوں میں دیکھو تم

(مصباح مشتاق)

میری آنکھوں میں دیکھو تم
اندھیرا ہی اندھیرا ہے
سحر اُتری نہیں اِن میں
ان آنکھوں میں بسیرا ہے
تیری یادوں کا ڈیرا ہے
میری آنکھوں میں دیکھو تم
امیدوں کے ہیں خواب ان میں
اُمنگیں ہیں تقاضے ہیں
میری آنکھوں میں دیکھو تم
اندھیرا ہی اندھیرا ہے
بنا کر غیر کو اپنا
کچھ اپنے تھے جنہیں چھوڑا
میری آنکھوں میں دیکھو تم
میری آنکھوں میں دیکھو تم
اندھیرا ہی اندھیرا ہے